Sept
2024

رائے بریلی

ماہنامہ

پیام عرفات

محسن انسانیت کا کارنامہ

”آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دُھن لگ گئی۔ جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور در و دیوار پر سبزہ اُگنے لگتا ہے۔ اسی طرح بعثت محمدیؐ کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔“ (محسن عالمؐ: ۴۸)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

دنیا کا سب سے بڑا انسان کون؟

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

''بیروت کے مسیحی اخبار ''الوطن'' نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم ''داور مجاعص'' نے لکھا:

دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کی اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کردی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر۔ اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا' ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں۔ حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام اسلامی میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کرسکیں۔ اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی۔ قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالم گیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بنا پر بزرگی حاصل ہے۔ اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا۔ یہ کہہ کر عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کر دیا۔ نامسلموں کے لیے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ خاندانی' ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں، اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کیے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے۔ بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا۔ علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی۔ اس نے حکمت کو ایک مومن کا گم شدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا۔

کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا؟!''

(سیرۃ النبی: ۴/ ۲۷۵-۲۷۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ١٦ ربیع الاول ١٤٤٦ھ - ستمبر ٢٠٢٤ء شمارہ: ٩

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخداندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّاناً وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(بلاشبہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ بے شک میں سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔)

(صحیح مسلم: ٦٧٧٨)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 E-Mail: markazulimam@gmail.com سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

انسانیت کی مسیحائی (اداریہ)..۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی...
سب کے نبی ﷺ..۴
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ.................................
انسانیت کی صبح صادق..۵
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ.................................
معلم انسانیت ﷺ..۶
حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ.................................
سیرتِ نبوی کا وسیع مفہوم..۷
مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی.................................
تقویٰ کیا ہے؟..۹
بلال عبدالحی حسنی ندوی.................................
طلاق کے چند مسائل..۱۱
مفتی راشد حسین ندوی.................................
سیرتِ طیبہ کا پیغام..۱۳
عبدالسبحان ناخدا ندوی مدنی.................................
رحمت عالم اور مظلوموں کی دادرَسی..۱۵
مولانا محمد زاہد جمشید پوری ندوی.................................
محسن انسانیت ﷺ..۱۷
محمد امین حسنی ندوی.................................
خون کے پیاسوں کو انسانیت کا آبِ شیریں..۱۸
سید عبدالعلی حسنی ندوی.................................

اے خوابگاہِ مصطفیٰ!

علامہ اقبالؒ

وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہِ مصطفیٰ
دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر کے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
نام لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسند جم کے ہوئے
ہے اگر قومیت اسلام پابند مقام
ہند ہی بنیاد ہے اس کی، نہ فارس ہے نہ شام
آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو، ماویٰ ہے تو
نقطہ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

انسانیت کی مسیحائی

جولوگ دنیا کی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے لیے سب سے مبارک دن وہ تھا جس دن رسول انسانیت ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی دنیا انسانوں کی دنیا نظر نہیں آتی، وہ کہیں درندوں کی دنیا نظر آتی ہے، تو کہیں انسان نما جانوروں کی دنیا نظر آتی ہے، اس وقت کی دو متمدن حکومتیں رومن امپائر (Roman Empire) اور پرشین امپائر (Persian Empire) جن کا دبدبہ تھا، ان کا تمدن کیا تھا؟ ایک سڑا ہوا لاشہ تھا جس کی بدبو سے اس وقت کی پوری دنیا پریشان تھی، ان دونوں متمدن حکومتوں کی تاریخ دیکھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ انسان گرتا ہے تو جانوروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے، اس کی عقل لذت اندوزی کے لیے ایسے ایسے ظالمانہ طریقے اختیار کرتی ہے جس کی طرف کسی ایسے انسان کا ذہن بھی نہیں جا سکتا جس کے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل ہو، اس تیرہ و تاریک دنیا میں انسان بھٹک رہا تھا، اس کو زندگی کا سرا نہیں مل رہا تھا اور نہ کہیں امید کی کرن نظر آ رہی تھی اور لگتا تھا کہ شاید دنیا اپنی تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور اس کے پیدا کرنے والے نے اس کو فنا کر دینے کا ارادہ فرما لیا ہے، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا، دنیا کو اپنا نیا سفر شروع کرنا تھا، اس کو ترقی کے بلند ترین معیار تک پہنچنا تھا اور وہ انسانیت جو شرمسار کھڑی تھی اس کا سر فخر سے بلند ہونا تھا، علوم وفنون کی گتھیاں سلجھنی تھیں اور جا بجا علم کی قندیلیں روشن ہونی تھیں، بے بسوں اور کمزوروں کو ان کا حق ملنا تھا اور عورت جو سر بازار رسوا ہو رہی تھی اس کو اپنا مقام حاصل ہونا تھا، دنیا کے جہنم کدہ کو جنت کدہ میں تبدیل ہونا تھا کہ مکہ کی گھاٹیوں سے آفتاب نبوت طلوع ہوا، رحمت عالم ﷺ کیا تشریف لائے بہار آ گئی، جو لب مسکرانے کے لیے ترس گئے تھے ان پر مسکراہٹ آئی، جو دل ان حالات کو دیکھ کر مسوس مسوس کر رہ جاتے تھے ان کی کلی کھل گئی، یہ خوشبو ایسی پھیلی کہ ایک صدی بھی نہیں گزرنے پائی کہ دنیا کا ہر حصہ معطر ہو گیا، باد خزاں کے بعد بہار کا دور آیا، باد سموم کے بعد باد نسیم کے ایسے دل نواز جھونکے چلے جنھوں نے مشام جان کو تازگی بخشی، مردہ دلوں کی مسیحائی کی اور انسانوں میں انسانیت کی بہار آ گئی۔

علم کی یہ خوشبو جو حجاز کی مبارک سرزمین سے چلی تو اس نے کیا ایشیا اور کیا یورپ و امریکہ، ملک ملک کو معطر کیا اور لوگوں نے سکون کی سانس لی، مگر ان ہی انسانوں میں وہ درندہ صفت لوگ بھی تھے جن کی عادت خون چوسنے کی تھی، جن کا کام ہی اپنی راحت، لذت اور عزت کے لیے دوسروں کی عزتیں لوٹنا اور ان کو ستانا تھا، ان کو یہ عدل وانصاف ایک آنکھ نہ بھایا اور پہلے دن سے انہوں نے اس عادلانہ نظام اور رسول رحمت ﷺ کے خلاف طرح طرح سازشیں شروع کیں، یہ سلسلہ پہلے دن سے چلا اور مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا آج دنیا کی نام نہاد متمدن ملکوں کی شکل میں موجود ہے، جن کے پاس اسی رومن اور پرشین کلچر کی دہائی ہے۔

اسلام نے اس تمدن کو جس طرح تراش خراش کر سجایا تھا اور اس کی غلاظتیں صاف کی تھیں اور اس کو نکھارا تھا اور اس میں طرح طرح کے پھول سجا کر ایسا حسین گلدستہ دنیا کو دیا تھا جس کا تصور اس سے پہلے دنیا نہیں کر سکتی تھی، یہ نام نہاد متمدن قومیں نہیں چاہتیں کہ عدل وانصاف کی اس خوشبو کو باقی رکھا جائے، ان کا منشا صرف یہ ہے کہ ان کی طاقت باقی رہے، ان کا سکہ چلتا رہے، اس کے لیے قوموں کی قومیں اور ملک کے ملک بھی تباہ ہوتے چلے جائیں، اس کی ان کو کوئی پرواہ نہیں۔

آج جو کچھ رسول رحمت ﷺ کی ذات اقدس اور آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے خلاف کہا یا لکھا جا رہا ہے، یہ اسی کینہ کا نتیجہ ہے جو ان درندہ صفت انسانوں میں پہلے دن سے موجود تھا اور آج اس کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں جو ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کی اکثریت اپنے اندر دھڑکتا ہوا دل اور انسانیت کا درد رکھتی ہے، اس کے سامنے جب انسان کامل ﷺ کا نمونۂ انسانیت پوری سچائی کے ساتھ آتا ہے تو ان کے دلوں کی کیفیت بدلنے لگتی ہے اور ایک پیاس محسوس ہونے لگتی ہے جو صرف اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے آب زلال سے بجھتی ہے، آج ہم مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم ایک طرف سیرت طیبہ کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کریں اور ایک ایک فرد تک اس کو پہنچائیں اور خود اس مبارک اُسوہ کو سامنے رکھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، تاکہ علم وعمل کی دعوت دنیا تک پہنچے، حقیقت اور سچائی کے جاننے والوں کو ان کی غذا مل سکے اور تاریک دنیا میں جگہ جگہ علم وعمل، عدل وانصاف اور امن وامان کی قندیلیں روشن ہوں!

سب کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو تین انمول موتی عطا کیے؛ علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی۔ دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ ﷺ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوعِ انساں میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟

محمد رسول اللہ ﷺ ہر انسان کے ہیں، محمد ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوعِ انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی مِلک نہیں، ان پر کسی مُلک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فخر ہیں۔ کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر ومسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ کا براہِ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی۔

کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔“

کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ ”مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔“

کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق وفرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ ”بادشاہِ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا۔“

کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کرکے اس گروہ کی عزت بڑھائی۔ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”میں اور راست گفتار اور دیانت دار تاجر جنت میں قریب ہوں گے۔“

کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ ”مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔“

کیا جانوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ”ہر مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس وزندگی ہے، اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔“

کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا! تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں۔

کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ﷺ ہی کی زبان سے سنا کہ ”خدا کسی ملک، قوم، نسل وبرادری کا نہیں، سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔“

جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا، وہاں ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جز بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء وفلاسفہ بھی آئے، ادباء وشعراء بھی، فاتح وکشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین ومکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے آئی۔ کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں، نوعِ انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ چودہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ ﷺ کو خطاب کرکے کہتی ہے۔

سرسبز ہو جو ترا پائے مال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

(نبوت کا عطیہ:۱۹-۲۲)

انسانیت کی صبحِ صادق

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ربیع الاول کا مہینہ بہار کا مہینہ ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس سے انسانیت کی بادِ بہاری چلی، اس کی آمد انسان کے شرف و اعزاز اور انسانیت کے عز و افتخار کی یاد دلاتی ہے، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسانیت اپنا یہ عز و افتخار کھو چکی تھی، جسے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ بحال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر یہ فضل و کرم ہے کہ جب انسانیت فساد اور بگاڑ کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی اور عز و شرف سے بہت دور جا چکی تھی اور انسان پستی و ادبار کی تہہ میں جانوروں کی سی زندگی گذار رہا تھا اور وہ ایسا درندہ بن چکا تھا کہ وہ دبے کچلے انسانوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتا تھا جو بڑے جانور چھوٹے جانوروں کے ساتھ کرتے ہیں، اپنے مفاد کے حصول کے لیے دوسروں کو قربان کر دیتا، کام لیتے وقت بیل کی طرح جوتتا، لیکن مزدوری نہ دیتا اور اگر دیتا بھی تو بہت معمولی جو نہ کے برابر ہوتی، ذرا سی ناراضگی پر ریگستان و صحرا کی نذر کر دیتا، مخالفوں کو جنگلوں میں جانوروں کی غذا بننے کے لیے بھیج دیتا، انسان کا انسان کے ساتھ سلوک اس سے سخت اور قابل بیان ہو چلا تھا جو ایک سنگ دل انسان بے زبان جانوروں کے ساتھ کرتا ہے، اس سے زیادہ سنگ دلی اور بے رحمی کی بات اور کیا ہوگی کہ ملوک و امراء جو خود کو اعلیٰ درجہ کا انسان سمجھتے تھے، قیدیوں میں جنہیں وہ سزائے موت کا مستحق سمجھتے تھے، اپنی اعلیٰ دعوتوں اور کھانے کی محفلوں میں بلاتے اور انہیں آگ کا الاؤ بنا کر اپنے معزز مہمانوں کی ضیافت کرتے کہ اس کی روشنی میں وہ کھانا تناول کریں، ان کے نزدیک اس کی تکلیف اور اس کے جل کر راکھ ہونے سے مہمان کی ضیافت دوبالا ہو جاتی تھی اور ایک اچھا سامان تفریح ہو جاتا تھا۔

عورت کی حقیقت کھلونے کی سی اور آلاتِ طرب و عیش کی تھی، بے چوں و چرا خدمت لی جاتی، اس کو خوب استعمال کیا جاتا، حیا و عفت اور آبرو کا کوئی لحاظ دونوں جانب نہ تھا اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب وہ زندہ درگور ہونے سے بچ جاتی۔

حصول مال و زر میں ہر وہ طریقہ اختیار کرنا صحیح سمجھا جاتا تھا، جس سے مال میں نمو ہو، خوشی ناخوشی کی کوئی پرواہ نہ کی جاتی تھی، سود، رشوت، غصب، ڈاکہ ڈالنا، چوری، خیانت، جس کے بس میں ہوتا وہ کرتا۔

دینی و مذہبی حالت نہایت ابتر تھی، اوہام و تصورات اور خرافات میں لوگ زندگی گذار رہے تھے، غلط سلط عقیدے گڑھ رکھے تھے، سورج، چاند، ستاروں، حجر و شجر، دریا، جانور، حتی کہ کیڑے مکوڑوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ نفع رساں اور ضرر رساں ہیں، اس لیے ان کے ضرر سے بچنے کے لیے ان کی عبادت ضروری ہے۔

ان حالات میں خاتم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غلط عقائد و خیالات کی پر زور نفی کی اور بہیمانہ و وحشیانہ زندگی کی زبردست مخالفت کی اور ظلم و فساد کو ختم کیا اور انسان کو اس کی پستی سے اٹھایا، ندائے حق بلند کی اور پھر اس کے نفاذ کے لیے کھڑے ہوئے، کچھ نے شروع ہی میں ساتھ دیا، کچھ شدید مخالفت پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے آپ پر اور آپ کے جانثار اصحاب پر جان لیوا مظالم کیے، لیکن آپ نے اور آپ کے اصحاب نے یہ سب کچھ اللہ کے راستے میں سہا، جمے اور ڈٹے رہے، دعوت و تبلیغ کرتے رہے کہ حق سر بلند ہوا اور باطل سرنگوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو اس کے مرتبہ عالی پر دوبارہ فائز کیا، اس کو اس کے عز و شرف کی چوٹی پر پہنچایا، امن و سلامتی کی ڈگر پر کھڑا کیا، صفائی و پاکیزگی عطا کی، سیرت و سلوک اور اخلاق و صفات میں جمال و کمال سے آراستہ کیا اور اس طرح کیا کہ زبان خلق کہہ اٹھی کہ انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی ہے۔

اس طرح یہ مہینہ اپنے ساتھ ایک پیغام رکھتا ہے، اس ماہِ بہار نے پوری دنیا میں انسانیت کی بادِ بہاری چلا دی۔

(سیرتِ محمدیؐ-انسانیت کے لیے اعلیٰ نمونہ: ۳۹-۴۳)

معلم انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

تاریخ انسانی گواہ ہے کہ رحمۃ للعالمین، پیامبر امن ومحبت، معلم انسانیت، سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ایسے پر فتن وپرآشوب دور میں ہوئی جبکہ ہر چہار جانب ضلالت وجہالت اور کفر وگمراہی کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، ظلم وزیادتی کا بازار گرم تھا، رشد وہدایت اور خیر وبھلائی کی راہیں مسدود ہوچکی تھیں، تخریبی طاقتیں انسانیت سے کھلواڑ کر رہی تھیں اور انسان کو ایندھن کی طرح اپنے شخصی اغراض ومقاصد، حرص وہوس اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہی تھیں، انسانی واخلاقی قدریں یکسر بدل چکی تھیں، روئے زمین پر اضطراب وانتشار، قتل وغارت گری، کشت وخوں ریزی، اخلاقی ودینی بے راہ روی اور جنسی انارکی کا دور دورہ تھا، انسانی ضمیر مردہ ہوچکا تھا، خیر وصلاح اور حق کی آواز ناپید تھی، ہدایت کا چراغ گل ہوچکا تھا، طاقتور کمزور کو کھائے جا رہا تھا، مالدار غریب کا خون پی رہا تھا اور انسانیت دم توڑ رہی تھی اور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آرہی تھی۔

اس ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے انسانیت کو سہارا دیا، رشد وہدایت کا چراغ روشن کیا، تہذیب وتمدن اور علم وثقافت کو تعمیری رخ پر لگایا، امن وآشتی کا غلغلہ بلند کیا، الفت ومحبت کا نغمہ سنایا، علم کی سرپرستی کی، عدل ومساوات اور اخوت وبھائی چارگی کا درس دیا۔ تاریخ انسانی گواہ ہے کہ آپ ﷺ سے بڑھ کر انسانیت نواز وکرم گستر نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی باکمال اور جامع الصفات شخصیت پیدا ہوسکی جس کو آپ کے مقابل کھڑا کیا جاسکے اور وہ آپ کی جگہ لے سکے۔ عقل انسانی اپنے تمام سابقہ تجربات، اب کے تمام ریکارڈ اور معلومات کی بنیاد پر شہادت دیتی ہے کہ آئندہ بھی کسی ایسی ذات کے پیدا ہونے کے امکان آخری حد تک معدوم ہیں، یہاں تک کہ قیامت برپا کردی جائے گی۔

آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ، ہمدردی وخیرخواہی اور اعلیٰ انسانی کردار اور حسن سلوک سے کٹر معاندین کے دل جیت لیے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت ومعاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، آپ کی صحبت میں رہتا اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپ ﷺ کا فریفتہ اور دل دادہ ہوجاتا، آپ ﷺ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپ سے قبل میں نے آپ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپ کے بعد۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

نبی رحمت ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ میں شفقت ومحبت، نرمی وملاطفت، دل داری ودل نوازی، عفو ودرگزر اور کرم گستری کی جلوی گری نظر آتی ہے۔ دوست تو دوست، جانی دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی ومحبت اور لطف وعنایت کا معاملہ فرماتے، دشمن جان لینے آتے، لیکن عاشق زار بن کر واپس ہوجاتے اور آپ پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوجاتے، کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا، بلکہ ستانے اور ایذاء پہنچانے والوں کو معاف کردیتے اور ان کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِی فَإِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ!

حقیقت یہی ہے کہ ہماری اس آباد گیتی میں لاکھوں رہنما اور قائدین آئے اور اپنے اپنے حصے کا کام کرکے چلے گئے، ان کی فہرست بڑی طویل ہے، ان میں مذہبی رہنما بھی شامل ہیں اور سیاسی قائدین بھی، ایسے لیڈر بھی اس میں شامل ہیں جو خود کو عالم گیر بتاتے رہے ہیں اور وہ بھی شریک فہرست ہیں جو علاقائی کہلائے گئے، ان میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کا ہم پلہ نہیں، ان میں سے کسی کے بھی قد وقامت پر آپ (ﷺ) کا لباس فٹ نہیں بیٹھتا۔

(محسن انسانیت: ۶۳-۷۰)

سیرتِ نبوی ﷺ کا وسیع مفہوم

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

ربیع الاول کے مبارک موقع پر میلاد النبی کی محفلیں سجتی ہیں، خطباء اور واعظین کی پر جوش اور ولولہ انگیز تقریریں ہوتی ہیں، نعتیہ مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے اور پوری رات یہ سلسلہ جاری رہ کر صبح کی اذان پر اختتام کو پہنچتا ہے، لیکن پوری رات جاگ کر جب لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ حضور پاک محمد ﷺ کی گھریلو اور سماجی زندگی کیسی تھی؟ وہ معراج کا واقعہ بیان کر سکتے ہیں، غزوۂ احد کی تفصیلات آپ کے سامنے رکھ سکتے ہیں، آپ کے معجزات پر روشنی ڈال سکتے ہیں، غار حرا میں آپ کی عبادت کی منظر کشی کر سکتے ہیں، مکہ سے مدینہ ہجرت کی روداد بیان کر سکتے ہیں، مدینہ میں ہونے والے آپ کے استقبال کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں، آپ کی اونٹنی قصویٰ کے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے دروازے پر ٹھہرنے کا منظر بیان کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی گھریلو اور سماجی زندگی کے بارے میں وہ بالکل لاعلم اور خاموش نظر آتے ہیں، حالانکہ سیرت پاک کا وہ پہلو جو گھریلو اور سماجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، ہماری زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

عبادات کے معاملہ میں سیرت یقیناً ہماری پوری رہنمائی کرتی ہے، بلکہ عبادت کو قابل قبول بنانے میں سیرت کا بنیادی کردار ہے، اگر عبادت میں سنتوں کا خیال نہ رکھا جائے، آپ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اس عبادت کو انجام نہ دیا جائے تو وہ عبادت بے روح اور بے جان ہے۔ لیکن......

......لیکن کیا حضور پاک ﷺ کا سارا وقت مسجدوں میں گذرا؟ کیا آپ ان ضروریات سے مبرا تھے جو ضروریات انسانی زندگی میں پیش آتی ہیں؟ کیا آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات غاروں، جنگلوں اور صحراؤں میں گذارے جہاں انسانوں سے سابقہ کم پڑتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ آیت بے معنی ہو کر رہ جاتی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

(تمہارے لیے اللہ کے رسول (محمد ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔)

یقیناً آپ کی زندگی میں وہ تمام مسائل پیش آئے جو کسی بھی انسان کو عمر کے کسی بھی مرحلہ میں پیش آسکتے ہیں۔ آپ کا بچپن بھی گذرا، جوانی بھی گذری اور جوانی کے بعد کا مرحلہ بھی گذرا، بچپن کی خواہشات، جوانی کے تقاضے اور جوانی کے بعد کے مسائل بھی آپ کو پیش آئے۔ رہن سہن، طرز زندگی اور لین دین کے سلسلہ میں بھی آپ نے امت کے سامنے ایک نمونہ پیش کر کے دکھایا۔

ہم وضو میں خیال کرتے ہیں سنتوں کا، غسل میں اہتمام کرتے ہیں مسنون طریقہ اپنانے کا، پانی پیتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ بیٹھ کر پئیں، تین سانسوں میں پئیں، کھانے میں دایاں ہاتھ استعمال کرتے ہیں، پلیٹ اپنی صاف کرتے ہیں، کھانے کے بعد کی دعا بھی پڑھتے ہیں، کیونکہ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ نے ہمیں یہ سب بتایا، بلکہ حقیقت میں کر کے دکھایا۔ لیکن......

......لیکن کیا حضور پاک ﷺ نے صرف انہی چیزوں میں ہماری رہنمائی فرمائی جو ہماری انفرادی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور کیا آپ نے صرف انہی چیزوں کے سلسلہ میں ہمیں ہدایات عطا فرمائیں جن کو ''عبادات'' کہا جاتا ہے؟!

کیا آپ ﷺ نے گھر میں رہنے کے آداب نہیں بتائے؟ کیا آپ ﷺ نے سڑک پر چلنے کا طریقہ بیان نہیں فرمایا؟ کیا راستے میں کھڑے رہنے والوں پر آپ ﷺ نے کچھ ذمہ داریاں نہیں ڈالیں؟ کیا پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم آپ ﷺ

نے نہیں دی؟ کیا راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ آپ ﷺ نے نہیں قرار دیا؟ کیا بیمار کی عیادت کی فضیلت کے سلسلہ میں زبان نبوت خاموش ہے؟ کیا مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملنا باعث اجر وثواب نہیں ہے؟ کیا نرم دلی، نرم مزاجی، تواضع اور انکساری آپ ﷺ کی صفات میں سے نہیں ہیں؟ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کس نے فرمائی؟ بیوی کے حقوق ادا کرنے پر زور کس نے دیا؟ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی کفالت کرنے پر بشارت کس نے دی؟ امانت دار تاجر کے لیے حشر کی گرمی میں عرش کے سایہ کا وعدہ کس نے کیا؟ غیبت، چغل خوری، الزام تراشی، عیب جوئی کو بدترین گناہ کس نے قرار دیا؟ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی کو نفاق کی علامتوں میں کس نے شمار کیا؟

ذرا سوچئے! آپ ﷺ کی زندگی میں خوشی کے لمحات بھی آئے اور حزن وملال کے بھی، آپ ﷺ نے اپنی چہیتی بیٹیوں کو دلہن بنا کر رخصت بھی کیا اور اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا بھی۔ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں اسلامی لشکر کو آگے بڑھتے ہوئے بھی دیکھا اور پیچھے ہٹتے ہوئے بھی۔ صلح کے واقعات بھی آپ ﷺ کی زندگی میں پیش آئے اور جنگ کے بھی۔ آپ ﷺ نے جان چھڑکنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم أجمعین کی محبت بھی دیکھی اور خون کے پیاسے دشمنوں کی عداوت بھی دیکھی۔ آپ ﷺ نے معاف کر کے بھی دکھایا اور تنبیہ فرما کر بھی۔ آپ ﷺ نے دفاع بھی کیا اور اقدام بھی۔ آپ ﷺ کو سابقہ قیدیوں سے بھی پڑا اور غلاموں سے بھی، امراء سے بھی پڑا اور سرداروں سے بھی، امیروں سے بھی پڑا اور غریبوں سے بھی۔ آپ ﷺ نے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانے کا سبق دیا۔ اپنوں کو محروم رکھ کر غیروں کو نوازنے کا نمونہ پیش کیا۔ پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کو اس کی مزدوری دینے کی تلقین کی۔ خواتین کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیا۔ بہن کو وراثت میں اس کا حصہ دینے کی تلقین فرمائی۔ امیر کی اطاعت کو لازم قرار دیا۔

آج ضرورت ان واقعات کو بیان کرنے اور ان نمونوں کو پیش کرنے کی ہے۔

واقعہ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

’’یہی واقعہ ولادتِ نبویؐ ہے جو دعوتِ اسلام کے ظہور کا پہلا دن تھا اور یہی ماہ ربیع الاول ہے جس میں اس امتِ مسلمہ کی بنیاد پڑی، جسے تمام عالم کی ہدایت وسعادت کا منصب عطا ہونے والا تھا۔ یہ ریگستان حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن تھا۔ یہ عرب کی ترقی وعروج کے بانی کی پیدائش نہ تھی، یہ محض قوموں کی طاقتوں کا اعلان نہ تھا، اس میں صرف نسلوں اور ملکوں کی بزرگی کی دعوت نہ تھی، جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے اور جیسا کچھ کہ دنیا کی تمام تاریخ کا انتہائی سرمایہ ہے، بلکہ یہ عالم کی ربانی بادشاہت کا یوم میلاد تھا۔ یہ دنیا کی ترقی وعروج کے بانی کی پیدائش تھی۔ یہ کرۂ ارضی کی سعادت کا ظہور تھا۔ یہ نوعِ انسانی کے شرف واحترام کا قیام عام تھا۔ یہ انسانوں کی پادشاہتوں، قوموں کی بڑائیوں اور ملکوں کی فتوحات کا نہیں بلکہ خدا کی ایک ہی اور عالمگیر پادشاہت کے عرش جلال وجبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی۔ پس! یہی دن سب سے بڑا ہے، کیونکہ اسی دن کے اندر دنیا کی سب سے بڑی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کی یاد نہ تو قوموں سے وابستہ ہے اور نہ نسلوں سے بلکہ وہ تمام کرۂ ارضی کی ایک عام اور مشترک عظمت ہے، جس کو وہ اس وقت تک نہیں بھلا سکتی، جب تک اسے سچائی اور نیکی کی ضرورت ہے اور جب تک اس کی زمین اپنی زندگی اور بقا کے لیے عدالت وصداقت کی محتاج ہے۔‘‘ (رسول رحمتؐ: ۲۳۷)

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عزت کا معیار:

جب ہماری زندگی ظاہر و باطن میں مکمل طریقہ پر تقویٰ کے سانچے میں ڈھلے گی، تو یہ اصل عزت کا معیار بنے گی اور حقیقت میں کوئی بھی ہو اس کے لیے اصل عزت کا معیار یہی ہے۔ عزت کا معیار کسی مدرسہ کا مہتمم ہونا نہیں، عزت کا معیار کسی منصب پر فائز ہونا نہیں، عزت کا معیار ظاہری طور پر بہت نمازیں پڑھنا نہیں، عزت کا معیار ظاہری دین داری نہیں، عزت کا معیار حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔ اصل عزت کا معیار آدمی کی وہ زندگی ہے جو تقویٰ کے سانچے میں ظاہر میں بھی ڈھلی ہوئی ہو اور باطن میں بھی اس کی موافقت پوری طرح سے پائی جاتی ہو۔ یہ اصل ہے اور یہی مساوات انسانی میں بڑائی کا ایک معیار ہے، باقی دیکھا جائے تو تمام کے تمام انسان برابر ہیں، کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں، اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو وہ تقویٰ کی بنیاد پر ہے، جو تقویٰ میں جتنا زیادہ ہوگا، وہ اللہ کے یہاں بھی عزت والا ہوگا اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ حقیقت میں اس کو عزت عطا فرمائیں گے، ورنہ جھوٹی عزتیں بہت ہیں اور جھوٹی عزتوں پر مرنے والے بھی بہت ہیں، لیکن حقیقتیں سب کھل جائیں گی، کبھی تو دنیا میں کھلیں گی اور اگر نہ بھی کھلیں تو آخرت میں تو ان کو کھلنا ہی ہے۔

دنیا کی حقیقت:

"قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ"

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میٹھی اور سبز ہے۔)

اس حدیث میں سب سے پہلے دنیا کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور یہ مثال دی گئی ہے کہ دنیا چکھنے کے اعتبار سے میٹھی اور دیکھنے کے اعتبار سے سرسبز ہے، بلاشبہ یہ ایک بہترین مثال ہے۔ آدمی جب کوئی میٹھی چیز کھاتا ہے، تو جتنی دیر وہ میٹھی چیز منہ میں رہتی ہے، اتنی دیر منہ میں مٹھاس رہتی ہے، لیکن جب وہ پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے تو منہ میں عجیب سا کڑواپن پیدا ہو جاتا ہے، گویا وہ مٹھاس بہت ہی محدود اور عارضی ہوتی ہے، اسی لیے بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ جلدی سے پانی وغیرہ پی لے، یا کوئی نمکین چیز کھالے تاکہ منھ کا مزہ کچھ ٹھیک ہو جائے۔ چکھنے کے اعتبار سے بالکل یہی معاملہ دنیا کا بھی ہے۔

اسی طرح دیکھنے کے اعتبار سے حدیث میں دنیا کی یہ مثال دی گئی کہ دنیا سرسبز ہے۔ سبزے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگر اس کو دور سے دیکھو تو بڑا خوبصورت نظر آتا ہے، لیکن جب قریب جاؤ تو پتہ چلے گا کہ اس میں تو کباڑ بھی تھا۔ گویا دور سے آدمی کو صرف سبزہ نظر آتا ہے، اگر دور سے کھیتوں کو دیکھو تو وہ بڑے سرسبز و شاداب نظر آتے ہیں، لیکن جب آدمی اس کے اندر جاتا ہے تو اس میں کنکر پتھر اور بعض مرتبہ غلاظت بھی نظر آتی ہے، گویا دور کے ڈھول سہانے تھے، جب آدمی اندر گیا تو حقیقت سمجھ میں آ گئی۔ سبزے کے متعلق یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج جو سبزہ نظر آ رہا ہے کل وہ بالکل ایسا بھوسا ہو جاتا ہے جیسے یہاں کچھ تھا ہی نہیں، اگر آپ دھان یا گیہوں وغیرہ کے کھیتوں کو اس وقت دیکھیں جب فصل ہوتی ہے تو وہ فصل بڑی خوبصورت لگتی ہے، لیکن تھوڑا ہی عرصہ گذرتا ہے کہ سب ختم ہو جاتا ہے اور خشک ہو جاتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا ختم ہوتا ہے کہ سب برباد ہو جاتا ہے، جس کی قرآن مجید میں مثال بھی دی گئی:

﴿فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ﴾ (الکھف: ۴۵)

(پھر وہ بھوسہ بھوسہ ہو جائے، ہوائیں اس کو اڑاتی پھریں۔)

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ پورا کھیت سبزہ زار ہوتا ہے، مگر اللہ نے ایک آندھی چلا دی، یا آسمان سے اولے گر گئے تو سب کچھ ایسے ختم ہوجاتا ہے، جیسے کبھی کچھ تھا ہی نہیں، یا بعض اوقات کھیتی خشک ہوجاتی ہے جو دیکھنے میں بھی عجیب سی معلوم ہوتی ہے، یا پوری فصل کاٹ دی جاتی ہے اور وہ بھوسا ہوجاتی ہے۔ ٹھیک یہی مثال دنیا کی بھی ہے جو وقتی طور پر بہت سرسبز اور ہری بھری معلوم ہوتی ہے مگر اللہ کا ایک حکم ہوتا ہے اور سب خاک ہوجاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا پر یہ دونوں مثالیں پوری طرح سے ایسی منطبق ہوتی ہیں کہ اس سے بہتر مثالیں نہیں ہوسکتیں۔ آدمی دنیا حاصل کرتا ہے اور حاصل کرتا چلا جاتا ہے، لیکن جب دنیا برتتا ہے تب اس کی حقیقت سامنے آتی ہے۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے، پہلے مرحلہ میں آدمی کو دنیا بڑی اچھی لگتی ہے، پھر جب کچھ وقت گذرتا ہے تو اس کی لذت وکیفیت آہستہ آہستہ اتنی ہی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

ہم اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی سخت گرمی سے پنکھے میں آئے تو اسے لگے گا کہ جنت میں آگئے، لیکن کچھ وقت گذرے گا تو لگے گا کہ اس کی ہوا گرم ہے، پھر وہ پنکھے سے کولر میں آجائے تو اس کو لگے گا کہ اب جنت میں آگئے، مگر جب کولر میں کچھ عرصہ گذرے گا اور اس کے بعد وہ اے سی میں آجائے تو اس کو لگے گا کہ اب واقعی جنت میں آگئے، البتہ کچھ ہی عرصہ گذرے گا تو اس کو یہ احساس ہونے لگے گا کہ یہ بھی کوئی خاص چیز نہیں ہے۔ یہ بالکل تجربہ کی بات ہے کہ ابتدا کا جو لطف ہے وہ بعد میں نہیں رہتا، بلکہ آہستہ آہستہ ختم ہوجاتا ہے اور یہ اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

دنیا کی بھی بالکل یہی صورت حال ہے کہ دنیا کی جتنی راحت کی چیزیں ہیں، لذت کی چیزیں ہیں اور مزے کی چیزیں ہیں، ابتداء میں آدمی جب انہیں حاصل کرتا ہے تو اس کو بڑا لطف آتا ہے، لیکن بہت ہی جلد وہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ بعض چیزوں میں تو اس کو انتہائی ندامت ہوتی ہے۔ آدمی کو بعض چیزوں کے متعلق فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ مزہ تو بہت محدود اور معمولی تھا، جب کہ ہم اس کو بہت زیادہ سمجھ رہے تھے۔

ظہورِ قدسی

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

''فضائے ملک' بلکہ فضائے عالم کی اس تیرگی میں یہ نوعمر یتیم (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑا ہوتا ہے اور اپنی پاک پاکیزہ کتابِ زندگی کے ہر ورق کو کھول کر رکھ دیتا ہے اور اپنی زندگی کا ایک کامل ومکمل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے حوصلہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنا جیسا بنایا جائے۔ ایک طرف ساز وسامان سے محرومی ہے، ہر پہلو سے بے کسی اور بے بسی ہے، ہر اعتبار سے بے اختیاری ہے اور دوسری طرف ملک وقوم کی اصلاح کی امنگیں ہیں، بلکہ کہنا چاہیے کہ ساری کائنات انسانی کے سدھارنے کے حوصلے ہیں، لیکن ''اصلاحِ قوم'' آج کل کے مفہوم میں نہیں، اس لیے نہ کسی انجمن کی بنیاد پڑتی ہے، نہ کوئی پارٹی بنائی جاتی ہے، نہ کسی کمیٹی کے لیے کوئی فنڈ کھولا جاتا ہے، بلکہ سارا وقت اور ساری قوت اپنے آپ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے! یہ نوعمر، حسین وخوش رو ہے، نوجوانی کا خون اس کی رگوں میں بھی گردش کرتا ہے، ملک میں گھر گھر فحش وبے حیائی کے چرچے ہیں، لیکن اس کی نیچی نظروں پر خود حیاداری قربان ہو ہو جاتی ہے، مے ناب کے ساغر ہر طرف چھلک رہے ہیں، پیمانہ چاروں طرف گردش میں ہے، لیکن اس کے دامن تقویٰ پر فرشتے تک نماز پڑھنے کے آرزومند ہیں۔ لوگ لڑ رہے ہیں، یہ صلح کرا رہا ہے۔ قوم چھیننے میں مصروف ہے، یہ بانٹنے میں۔ دنیا تحصیل وفراہمی میں لگی ہوئی ہے اور یہ عطا وبخشش میں۔ عالم مخلوق، مخلوق پرستی کی لعنت میں مبتلا ہے، ایک اس کے دل میں خالق کی لَو لگی ہوئی ہے۔'' (ذکر رسول، از؛ یتیم کا راج)

طلاق کے چند مسائل

مفتی راشد حسین ندوی

تحریر کے ذریعہ طلاق:

تحریری طلاق یا تو عورت کو صاف صاف مخاطب کر کے بلا شرط دی جائے گی، یا پہنچنے کی شرط لگا کر دی جائے گی، تو اگر بیوی کو صاف صاف مخاطب کر کے طلاق کے الفاظ لکھے مثلاً لکھا کہ اے فلانہ! تمہیں طلاق، یا میری بیوی کو طلاق، یا اس کی بیوی کا نام مثلاً: زینب تھا، اس نے لکھا کہ زینب کو طلاق، تو ان الفاظ کے لکھتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی، چاہے یہ تحریر بیوی کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ لیکن اگر تحریر میں طلاق کو پہنچنے پر معلق کر دیا اور اس طرح لکھا کہ میری یہ تحریر پہنچتے ہی تمہیں طلاق، تو طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب تحریر بیوی کو مل جائے، اگر کسی وجہ سے عورت کو تحریر نہ ملے تو اسے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(ہندیہ:۱/۳۷۸)

دوسرے کی تحریر پر دستخط سے طلاق:

اگر طلاق نامہ شوہر نے خود نہیں لکھا، یا شوہر یا بیوی کے کسی وکیل یا معتمد نے لکھا اور یہ طلاق نامہ شوہر کو دیا گیا اور اس نے پڑھ کر اور یہ جان کر کہ طلاق کی تحریر ہے، کسی جبر و اکراہ کے بغیر اس پر دستخط کر دیے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور طلاق کی تعداد اور صفت (بائن رجعی) تحریر کے اعتبار سے ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۳۷۹)

جب شوہر طلاق سے انکار کرے:

اگر بیوی تحریر دکھائے کہ شوہر نے طلاق لکھ کر دی ہے، لیکن شوہر کہے کہ یہ تحریر میری نہیں ہے، یا کہے کہ اس پر دستخط میرے ہیں، لیکن مجھ سے یہ دستخط دھوکہ سے کرائے گئے تھے، طلاق کی تحریر بتا کر نہیں کرائے گئے تھے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۳۷۹)

شوہر نے ایک طلاق لکھنے کو کہا اور لکھنے والے نے تین لکھ دیں:

کسی سے کہا کہ میری بیوی کو ایک طلاق لکھ دو، اس نے تین طلاق لکھ دیں، تو اگر شوہر اس کو پڑھ کر اور سمجھ کر دستخط کر دے تو تینوں واقع ہوجائیں گی اور اگر تین سے انکار کرے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ (بدائع:۳/۱۹۶)

طلاق نامہ لکھنے کے بعد پھاڑ دینا یا کاٹ دینا:

اگر کسی نے بیوی کو طلاق کی تحریر اس کے پاس پہنچنے پر معلق کیے بغیر لکھی تو طلاق فوراً پڑ جائے گی، خواہ شوہر یا بیوی طلاق کی تحریر کو مٹا دیں یا اس کو پھاڑ دیں یا جلا دیں۔ (ہندیہ:۱/۳۷۸)

اکراہ کے ساتھ طلاق:

احناف کے نزدیک اگر کسی کو مار پیٹ کی دھمکی دے کر طلاق پر مجبور کر دیا جائے اور اسے معلوم ہے کہ طلاق نہ دینے پر وہ واقعۃً اس سے مار پیٹ کریں گے تو اگر زبان سے طلاق کے الفاظ ادا کر دیے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، لیکن اگر زبان سے طلاق کے الفاظ نہ ادا کرے، صرف طلاق کی تحریر مجبور کرنے پر لکھے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۳۷۹)

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ طلاق کی تحریر بھیجنے کا حکم:

اگر موجودہ زمانہ کے جدید ذرائع مثلاً: ای میل یا فیکس یا موبائل مسیج کے ذریعہ شوہر طلاق بھیجے اور شوہر اقرار کرے کہ یہ تحریر اسی نے بھیجی ہے تو طلاق جتنی تعداد میں دی جائے یا جس صفت (رجعی بائن) کے ساتھ دی جائے واقع ہوجائے گی۔ (ہندیہ:۱/۳۷۸-۳۷۹)

ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم:

گذشتہ بحثوں سے واضح ہوگیا کہ ایک مجلس میں تین طلاق لکھنا یا بولنا گناہ ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ایک مجلس میں تین طلاق دے دے تو جمہور علماء امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بلکہ اس دور کے تمام علماء کے نزدیک تینوں واقع ہوجاتی ہیں، البتہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کے نزدیک اگر ایک مجلس میں تین طلاق دی جائیں تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

(دیکھئے: عمدة القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، شرح المسلم للنووی، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، حدیث: ۱۴۷۲)

موجودہ زمانہ میں اہل حدیث حضرات بھی اسی مسلک کے قائل ہیں اور یہ مسئلہ ان کے امتیازی مسائل میں سے ایک بن گیا ہے۔

(دلائل اور تفصیلات کے لیے دیکھئے راقم کی کتاب: اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال)

یہاں ہم تین طلاق کے چند احکام لکھ رہے ہیں:-

تین طلاق کا حکم:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو خواہ جائز طریقہ کے مطابق الگ الگ تین ایسے طہروں میں تین طلاق دے جن میں بیوی سے دخول نہ کیا ہو، یا ایک ہی طہر میں الگ الگ مجلسوں میں ایک ایک کرکے تین طلاق دے، یا ایک ہی مجلس میں تین الگ الگ جملوں میں تین طلاق کی نیت سے تین طلاق دے اور خواہ یہ طلاقیں غصے کی حالت میں دے، یا نارمل حالت میں رہتے ہوئے دے، (اگر عورت مدخول بہا ہے تو) تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اس طرح کی طلاق کو ''طلاق مغلظہ'' کہا جاتا ہے، اس طرح کی طلاق دینے کے بعد شوہر کو نہ تو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے، نہ شرعی حلالے کے بغیر دوبارہ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، باب حکم الطلاق البائن: ۲۹۵/۳)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَانٍ.......... ☆فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ﴾(البقرة: ۲۲۹-۲۳۰)

(طلاق تو دو ہی مرتبہ ہے (کہ اس میں) یا تو دستور کے موافق روک لے یا سلوک کرکے رخصت کردے (الیٰ) پھر اگر وہ اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد اس کے لیے وہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے تعلق نکاح قائم نہیں کرلیتی۔)

اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

"أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: لا. (البخاری، کتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۵۲۶۱)

(ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، تو اس نے دوسرے شخص سے شادی کرلی اور اس نے طلاق دے دی تو نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ جب تک دوسرا شوہر دخول نہ کرلے، یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔)

دوسری اور تیسری طلاق تاکیداً دینا:

لیکن اگر کسی شخص نے طلاق کے الفاظ کو تین بار دھرایا، لیکن اس کی نیت صرف ایک طلاق کی تھی، دوسری یا تیسری بار تاکیداً یا سمجھانے کے لیے دہرایا ہے تو ایک طلاق پڑے گی، لیکن اگر کہا کہ تمھیں تین طلاق تو اس میں تینوں طلاق پڑجائیں گی۔

(ہندیہ: ۱/ ۳۵۵-۳۵۶، شامی: ۴۹۲/۲-۴۹۳)

غیر مدخول بھا کو تین طلاق:

اگر غیر مدخول بہا کو الگ الگ جملوں سے تین طلاق دیں تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن اگر اس کو ایک جملہ سے اس طرح طلاق دی ''تم کو تین طلاق'' تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

(شامی: ۴۹۲/۲-۴۹۳)

سیرتِ طیبہ کا پیغام

عبدالسبحان ناخدا ندوی

ربیع الاول انسانیت کی موسم بہار کا مہینہ ہے، جس میں آنحضرت ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت کی سوکھی کھیتی سرسبز وشاداب ہوگئی۔ اس مہینے کو سیرتِ نبویؐ سے خاص مناسبت ہے، اسی لیے اس مہینے میں کثرت سے سیرت کے جلسے اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں، بلاشبہ سیرت کے جلسے منعقد کرنا بہت مبارک کام ہے، لیکن ضرورت ہے سیرت کے ان جلسوں کا پیغام لینے کی اور اپنی زندگی کو سیرت کے مطابق ڈھالنے کی۔

سیرتِ طیبہ کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان بے نظیر وحدت قائم کی جائے۔ جس زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اس وقت انسانیت بے زاری اور انسانیت دشمنی کا عالم یہ تھا کہ انسان انسان سے محفوظ نہیں تھا، قرآن مجید میں اس صورت حال کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

﴿وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾ (اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد رکھو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اس کے احسان سے تم بھائی بھائی ہوگئے اور تم جہنم کے گڑھے کی ڈھک پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔)

آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے انسانوں کو انسانوں سے جوڑا اور اللہ کے فضل وکرم سے ان کے درمیان ایسی الفت ومحبت پیدا کردی جس کو دنیا کی کسی قیمتی سے قیمتی چیز کے ذریعہ سے بھی خریدا نہیں جاسکتا۔

موجودہ دور میں سیرت کے اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے، آج دنیا ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگ گئی ہے، ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا ہوگیا ہے اور الفت ومحبت کی جگہ خودغرضی اور مفاد پرستی عام ہوگئی ہے۔ ایسے حالات میں محبت کے اسی پیغام کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے رحمت دو عالم ﷺ نے عام کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں ایک صالح انسانی سماج وجود میں آیا تھا، جس کو اپنے نفع سے زیادہ دوسرے انسان کا نفع عزیز تھا اور اس کے نزدیک اپنی جان سے زیادہ دوسرے انسان کی جان کی قیمت تھی۔ مشہور واقعہ ہے کہ جب ایک صحابی کو جاں کنی کے عالم میں کسی نے پانی کا پیالہ پیش کیا، تو ان کی نگاہ اپنے ایک ساتھی پر گئی جس کو پانی کی سخت ضرورت تھی، پھر انہیں یہ منظور نہ ہوا کہ اس کو پیاسا چھوڑ کر وہ پانی خود پی لیں، اس لیے انہوں نے وہ پیالہ ان کو دے دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہی وہ قربانی وایثار کا مزاج تھا جو آنحضرت ﷺ نے اس وقت کی سسکتی اور بلکتی ہوئی انسانیت کو عطا کیا تھا اور آج سب سے بڑھ کر اسی مزاج کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

ضرورت ہے کہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں اور غور کریں کہ آج ہم کون سا نمونہ پیش کررہے ہیں؟ کیا آج ہم واقعی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں؟ کیا آج ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ ہے جیسا آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کرام اور عام انسانوں کے ساتھ فرمایا کرتے تھے؟ کیا آج ہمارے اندر بھی انسانیت کا وہی درد اور انسانوں کی محبت کا وہی جذبہ موجود ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت ہے، جس کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، ہمیشہ غمگین رہتے تھے، اکثر وبیشتر خاموش رہتے تھے اور کسی پل آپ کو چین نہیں تھا۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی اس کیفیت کا سبب انسانیت کا درد تھا، جس کی

خاطر آپ کا دل تڑپتا اور سلگتا تھا۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارا طرزِ عمل سیرت کے بالکل برخلاف ہے، بظاہر ہم نبی اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں اور خود کو ان کا امتی کہتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہماری زندگی اس کے بالکل برعکس ہے اور ہمارے کام ایسے ہیں جو جہنم کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ کیا آج رشوت خوری مسلمانوں میں عام نہیں ہے؟ کیا آج سود جیسے سنگین گناہ میں مسلمان ملوث نہیں ہیں؟ کیا آج مسلمان اللہ کی حقیقی بندگی سے دور نہیں ہیں؟ کیا آج مسلمان عملاً اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں سے غافل نہیں ہیں؟ کیا آج مسلمانوں کے اندر انسانیت کی وہ تڑپ اور کسک موجود ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کی سنت ہے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مسلمان اپنا جائزہ لے اور جہنم سے بچنے کی فکر کرے۔ یہی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور عقل مندی کا تقاضا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ عقل مند انسان وہ ہے جو اپنا جائزہ لیتا رہے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور نکما انسان وہ ہے جو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ پر اونچی اونچی امیدیں باندھے۔

سچی بات یہ ہے کہ اس وقت ہمارا طرزِ زندگی اسلامی تعلیمات سے بہت الگ ہے، ہم نے اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اس مقام تک پہنچانا شروع کر دیا ہے جس پست ترین مقام سے بچانے کے لیے رسول اکرم ﷺ مبعوث فرمائے گئے تھے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ہم وحی کی برکتوں سے کیسے متمتع ہو سکتے ہیں؟ اس لیے اللہ رب العزت کو یاد کرنے والا اور نبی اکرم ﷺ کے سچے طریقے پر چلنے والا بننے کی کوشش کیجیے، اپنی سیرت کو بنائیے اور سنواریئے، عاجز اور نکما انسان نہ بنئے۔ اس وقت یہ بھی ہمارا ایک مرض بن گیا ہے کہ ہم دنیا کے کاموں میں تو بڑے ہوشیار اور مستعد نظر آتے ہیں، لیکن دین کے کاموں کے تعلق سے اور آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کے تعلق سے ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم اس کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ''اس کو بعد میں سوچیں گے یا بعد میں دیکھیں گے۔''

ضرورت ہے کہ اس طرح کی ذہنیت کو ذہن و دماغ سے کھرچ کر نکال دیا جائے۔ جب ہمیں دنیا میں یہ فکر سوار رہتی ہے کہ ہمارے مکانات اور ہماری تجارتیں بہتر سے بہتر ہوں، تو پھر اخروی زندگی کے متعلق ہمیں یہ فکر دامن گیر کیوں نہیں ہوتی کہ ہماری عبادات بھی بہتر سے بہتر ہوں؟ ہمارا طرزِ زندگی سیرتِ طیبہ کے مطابق ہو اور ہمارے اندر انسانیت کا درد اور اس کی مسیحائی کا جذبہ ہو۔ حقیقت میں یہی وہ جذبہ ہے جو سیرت کا خلاصہ ہے اور جس کی عالمگیر اشاعت کے لیے آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا پیغام یہی تھا کہ اللہ کے بندے اللہ سے جڑ جائیں اور بندے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ آپ ﷺ کا یہ وہ پیغام اور مشن تھا جس کی وصیت آپ ﷺ نے آخری وقت میں بھی فرمائی، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی آخری وصیت یہ تھی کہ نمازوں کا اہتمام کرنا اور اپنے خدام کے ساتھ بہتر سلوک کرنا۔ اگر دیکھا جائے تو اس جملہ کے اندر آپ ﷺ نے گویا سیرت کا پیغام پیش فرما دیا۔ بندوں کا تعلق اللہ سے مضبوط ترین ہو، اس کی سب سے بڑی بنیاد نماز ہے اور بندوں کا تعلق بندوں کے ساتھ بہترین ہو، اس کی سب سے بڑی بنیاد کمزوروں کے ساتھ اچھا سلوک ہے، کمزوروں کے ساتھ جو اچھا سلوک کرتا ہے اس کے اندر انسانیت کا درد ہوتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے طرزِ عمل کو بدلیں، اخلاص کا جذبہ پیدا کریں، اللہ کے لیے جینے اور مرنے کا عزم کریں، اللہ ہی کے لیے عبادت کریں، اللہ ہی کے لیے خیر کے سارے کام کریں، اللہ ہی کے لیے انسانوں کو آپس میں جوڑیں، نہ کہ اپنی نفسانیت کی بنیاد پر۔ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے لیے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، جو لوگ قربانی کی زندگی بسر کرتے ہیں، جو لوگ دوسروں کے لیے جیتے ہیں اور جو لوگ دوسروں کے لیے تڑپتے ہیں، اللہ رب العزت ان کو بلند ترین مقام تک پہنچا دیتا ہے اور وہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے آخرت کے انسان بن جاتے ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مظلوموں کی دادرسی

مولانا محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری

نبی پاک ﷺ کی پاک زندگی نبوت سے پہلے بھی اور نبوت کے بعد بھی مظلوموں کی دادرسی سے بھری ہوئی ہے اور پھر آپ کے پاک ارشادات میں مظلوموں کی مدد اور ان کی دادرسی کرنے کی بھرپور فضیلت اور ترغیب ملتی ہے۔ یاد کیجیے غارحرا کے اس واقعہ کو جس میں پہلی مرتبہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو آپ گھر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: "زمّلونی زمّلونی" کہ مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اوڑھاؤ، تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے تسکین بھرے کلمات کہہ کر آپ کی ڈھارس بندھائی تھی، اس میں خاص طور پر انہوں نے آپ کی انہی اخلاقی اور معاشرتی خوبیوں کا ذکر کیا تھا جو آپ کی زندگی کے گویا نمایاں اور امتیازی اوصاف تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ "ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا، کیونکہ آپ رشتوں کو جوڑتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کے لیے کمانے کے ذرائع فراہم کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے تمام موقعوں پر آپ مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔" (بخاری:۳)

اور پھر اسی سے ملتی جلتی بات ابن الدغنہ نے آپ ﷺ کے خلیفہ برحق اور آپ کے جانثار و رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کہی تھی، جب اس نے آپ کو حبشہ جانے سے روک دیا تھا اور آپ کو اپنی پناہ دی تھی۔ (بخاری: ۳۹۰۵)

حلف الفضول :

رسول اللہ ﷺ حلف الفضول میں بھی شریک رہے جو عربوں کا سب سے شریفانہ اور کریمانہ معاہدہ تھا، اس کا قصہ یہ تھا کہ زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ سامان تجارت لے کر آیا اور قریش کے ایک سردار عاص بن وائل نے یہ سب سامان خرید لیا، لیکن اس کا حق اس کو نہیں دیا، زبیدی نے سرداران قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت و وجاہت کی وجہ سے انھوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس کو سخت سست کہہ کر واپس کر دیا، اب زبیدی نے اہل مکہ سے فریاد کی اور ہر باحوصلہ، صاحب ہمت اور حق و انصاف کے حامی شخص سے جو اسے مل سکا شکایت کی، آخر کار ان لوگوں میں غیرت نے جوش کیا اور یہ سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے، انہوں نے ان سب کی دعوت و ضیافت کی، اس کے بعد انہوں نے اللہ کے نام پر یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ سب ظالم کے مقابلے اور مظلوم کی حمایت میں ایک ہاتھ کی طرح رہیں گے اور کام کریں گے، جب تک ظالم مظلوم کا حق نہ دیدے، قریش نے اس معاہدہ کا نام "حلف الفضول" یعنی فضول کا معاہدہ رکھا اور کہنے لگے کہ انہوں نے ایک فالتو کام میں جو ان کے فرائض میں نہیں آتا دخل اندازی کی ہے، پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان و اسباب ان سے زبردستی لے کر زبیدی کو واپس کیا۔

رسول ﷺ اس معاہدہ سے بہت خوش تھے اور بعثت کے بعد بھی آپ نے اس کی تعریف و تحسین کی اور فرمایا کہ میں عبداللہ ابن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا، جس میں اگر اس کے نام پر اسلام کے بعد بھی بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کے لیے تیار ہوں، انہوں نے اس پر کیوں معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق، حق دار تک پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم، مظلوم پر غلبہ نہ حاصل کر سکے گا۔ (سیرت ابن کثیر:۱/ ۲۵۸، بحوالہ نبی رحمت، از مولانا علی میاں ندویؒ:۹۶)

یتیمی کا ایک سبق :

مشہور شامی عالم ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ سیرت پر دیے ہوئے اپنے قیمتی محاضرات میں ایک جگہ بڑا ہی اہم نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے یتیمی کی حالت میں رکھا تا کہ آپ جان سکیں کہ یتیمی کا کرب اور زندگی کا دکھ کیا ہوتا ہے اور آپ اس وجہ سے بچپنے ہی سے انسانیت کے اعلیٰ ترین معانی سے آشنا ہو چکے تھے اور آپ کا دل بچپنے ہی سے یتیموں، غریبوں اور ظلم کے ماروں کے حق میں رحم کے جذبات سے بھر گیا تھا اور پھر آپ کی زندگی کا بڑا حصہ سماج کے ان کمزور طبقات کو انصاف دلانے اور اس کے ساتھ نیکی کرنے اور ان کے ساتھ رحم دلی اور کرم گستری کا معاملہ کرنے میں گزرتا ہے۔

اسی لیے ہر داعی وقائد کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل میں بھی انسانیت کا دکھ درد پایا جاتا ہو تا کہ وہ کمزوروں اور بے کسوں کے مصائب وآلام کو محسوس کر سکے۔ (نبی کی سیرت، اسباق اور حکمتیں:۳۸)

نبی رحمت کے مظلوم امتی:

جہاں تک مظلوموں کی بات ہے تو اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑھ کر اگر کوئی مظلومیت سے دوچار ہیں تو وہ اسی نبی رحمت کے سچے امتی، ہمارے فلسطینی بھائی بہن اور معصوم بچے ہیں۔ غیر تو غیر ہیں، اقوام متحدہ اور عالمی عدالت جیسے ادارے تو ہیں ہی سارے صہیونیت کے داشتہ پرداختہ، جو اپنے کہے اور سمجھے جاتے ہیں، اسلامی ممالک اور اس کے مسلم حکمراں وہ بھی سوائے زبانی جمع خرچ کے زمینی طور پر کہاں ساتھ دے رہے ہیں؟ ان کی زبانیں کیوں گنگ ہیں؟ ان کے ضمیر کیوں مردہ ہو چکے ہیں؟ آخر ان کے اندر ایمانی غیرت وحمیت کی کوئی رمق باقی بھی ہے یا نہیں؟

شک ہونے لگتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے عوام روزانہ سڑکوں پر احتجاج کر رہے ہیں، امریکہ میں جو بائیڈن کے سامنے جنگ بندی (cease fire) کے نعرے لگ رہے ہیں، اٹلی کے عوام ایک فلسطینی پرچم لہرانے والے بچے کو بچانے کے لیے مردانہ وار فٹ بال گراؤنڈ میں کود پڑتے ہیں، جب وہاں کی ظالم پولیس اسے زدوکوب کر رہی ہوتی ہے، لیکن مسلم ممالک میں نہ کوئی مظاہرہ ہے نہ کوئی احتجاج اور نہ ہی کوئی خیر سگالی کے جذبات اور مدد کی بات، الا ماشاء اللہ! چند تنظیمیں ہیں جو کچھ عملی تعاون کر رہی ہیں جیسے: ''الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین'' اور اس کے جری و بے باک قائدین اور چند انگلیوں پر گنی جانے والی شخصیات ہیں جو اس دور نکبت وزوال میں بھی قضیہ فلسطین کو پوری طاقت سے اٹھا رہی ہیں، امت کو جگا رہی ہیں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر اپنی مقدور بھر کوششیں کر رہی ہیں جیسے پڑوس ملک میں شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم وغیرہ۔

ورنہ باقی رہے ہم برصغیر کے اکثر علماء وعوام، تو ہمیں تو اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر خود سے پوچھنا چاہیے کہ موجودہ صورت حال میں کیا ہمارا منہ ہے اس رحمت عالم کی طرف اپنی نسبت کرنے کا؟ جس سے نماز کی حالت میں بچوں کے رونے کی آواز بھی برداشت نہیں ہوتی تھی، جو انسان تو انسان جانوروں پر بھی ظلم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا تھا اور ایک ہم ہیں کہ اس مظلوموں کے حامی نبی سے اپنے عشق کے دعوے کے باوجود ہمیں اپنے فلسطینی بھائی بہنوں کی پکار اور معصوم ویتیم بچوں کی سسکیاں نہیں سنائی دیتیں، وہ تو ''وامعتصماہ'' کی صدا لگائے جا رہے ہیں لیکن کوئی نہیں ہے جو ان کی مدد کو پہنچے۔

اور احتجاج وتعاون کی بات تو چھوڑ دیجیے کہ وہ اور اللہ کے شیروں کا کام ہے، کیا ہم اب تک اپنی مسلم عوام کو شعوری طور پر قضیہ فلسطین سمجھا بھی پائے ہیں اور یہاں کے پڑھے لکھے غیر مسلم طبقہ کو یہ Case صحیح سے بتا بھی پائے ہیں کہ بھائی! مسجد اقصیٰ بھی ہمارا پہلا قبلہ اور مکہ ومدینہ کے بعد سب سے ''پوتر تیرتھ استھان'' ہے اور وہاں کے رہنے والے فلسطینی بھی ۱۹۴۸ء میں یہودیوں کے ناجائز قبضے کے بعد اپنے ملک کی اسی طرح آزادی اور فریڈم کی جنگ لڑ رہے ہیں، جس طرح ہم ہندوستانیوں نے مل کر ہندوستان پر انگریزوں کے ناجائز قبضے کے بعد ان سے لڑی تھی؟ نہیں!

اب تو ہمارے فلسطینی بھائی صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ اے عرب حکمرانوں! تمہارے عرب پتی اور صاحب ملیار ہونے سے کیا فائدہ؟ تم تو انسانیت کے لیے ایک عار ہو عار اور پوری امت سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ کل قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا کہ جب تمہارا قبلہ اول (مسجد اقصیٰ) صیہونیوں کے قبضے میں تھا اور اس کے مقدس صحن کو زایونسٹ حکومت کے ظالم وجابر اور خونی درندے اپنے ناپاک قدموں سے روند رہے تھے اور اس کی حفاظت ودفاع کے لیے مجاہدہ کرنے والے اور قربانی دینے والے تمہارے مسلمان بھائی بہن اور بچے بے دریغ اپنی جانیں قربان کر رہے تھے اور اپنی شہادتوں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے تو تم کہاں تھے؟

سوچیے! کل حشر کا میدان ہوگا، اللہ کا دربار ہوگا، نبی کے رو برو فلسطینی بچے ہم سے یہ سوال کریں گے تو ہم کیا جواب دیں گے؟!

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ وآہن

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

محمد امین حسنی ندوی

تاریخ میں محفوظ شخصیتیں تو ہم کو آپ کو بہت مل جائیں گی، لیکن وہ شخصیت جس کے دم سے تاریخ کا وجود ہو اور تاریخ کو جس پر صرف ناز ہی نہیں بلکہ تاریخ کا اس پر ایمان ہو، وہ شخصیت صرف ایک ہے-ایک ہے-ایک ہے اور وہ شخصیت ہے آقائے نامدار، سرور کائنات، شاہِ دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

آپ ﷺ نہایت شفیق، بڑے مہربان اور بہت ہی نرم دل تھے، جب بھی دو کاموں میں سے آپ کو ایک کام کرنے کا اختیار دیا جاتا تو آپ اپنی امت کی آسانی کی خاطر آسان کام کو ترجیح دیتے۔ آپ ﷺ کی نرمی، شفقت اور محبت سے ہر شخص واقف تھا، آپ کو جو تکلیف پہنچاتا آپ اس کو ہدیہ دیتے، آپ ﷺ کی پوری زندگی عفو ودرگزر میں گزری، آپ ﷺ کی رحمت پوری انسانیت کے لیے تھی۔

آپ ﷺ بچوں پر ان کے ماں باپ سے زیادہ مہربان اور ان کے ماں باپ سے زیادہ ان پر شفقت فرمانے والے تھے۔

خادموں اور غلاموں کے ساتھ جو سلوک اسلام سے پہلے ہوتا تھا، وہ نہایت ہی شرمناک اور ظالمانہ تھا، اس معاشرے میں غلاموں کو جانور سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اور عزت کے ساتھ جینے کا انہیں کوئی حق حاصل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس بھی کوئی غلام ہو تو اس کو چاہیے جو خود کھائے وہی اس کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے۔

دوست ودشمن سب ہی آپ کی رحمت کے سایہ میں تھے، آپ کے پروردگار نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اور قرآن کریم کو آپ کی رحمۃ للعالمینی پر گواہ بنایا تھا، آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔ بدر کے قیدی پیش کیے جاتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشارے کے منتظر ہیں کہ گردن مارنے کا حکم ملے اور وہ آگے بڑھ کر حکم کی تعمیل کریں، لیکن آپ ﷺ ان میں سے کچھ کو فدیہ لے کر اور کچھ کو مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے آزاد کر دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی رحمت صرف انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ آپ کی رحمت کا سایہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، انسان تو انسان، حیوانات، نباتات اور جمادات تک رحمت کے اس گھنے سایہ سے محروم نہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے جانور کی جان لینے سے منع کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی انسان ناحق کسی پرندے کو مارتا ہے تو قیامت کے دن اس سے اس پرندے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب معاشرے میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا، سورۂ نحل کی یہ آیت اس کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دیتی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ☆ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (النحل: ۵۸-۵۹)

(جب اُنہی میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے؟ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں، بہت بُری ہے۔)

لیکن آپ ﷺ نے عورتوں کے متعلق فرمایا: "استوصوا بالنساء خيراً" (متفق عليه) (سنو! عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو۔)

حاصل یہ کہ ہم سماج کے جس طبقہ بلکہ زندگی کے جس شعبہ میں بھی رحمت عالم ﷺ کی تعلیمات اور ان کی زندگی کو دیکھیں گے تو ہمیں اس میں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ضرور ملے گا اور بلاشبہ اس سے بڑھ کر انسانیت پر احسان عظیم کچھ نہیں ہو سکتا کہ ایک نبی اُمی نے ہر موقع اور وقت کی مناسبت سے پوری انسانیت کی رہنمائی فرمائی۔

خون کے پیاسوں کو انسانیت کا آبِ شیریں

سید عبد العلی حسنی ندوی

ظلم وستم اور جور و جفا کا دور دورہ تھا، روئے زمین کا چپہ چپہ بنی نوعِ انساں کی حیوانیت سے آہیں بھر رہا تھا، عالم انسانیت سے جملہ انسانی اقدار رخصت ہو چلے تھے، انفرادی واجتماعی حقوق کے سفا کانہ استحصال سے ہر فردِ بشر بے کل وبے بس تھا، مغرب کی اندھیر نگری سے عرب کے سنگلاخ بیابانوں تک اور افریقہ کے خوں ریز جنگلات سے برصغیر کے دیو مالائی دیوتاؤں تک شب دیجور کی ایک سیاہ چادر تنی ہوئی تھی، ایک طرف شاہانِ روم وفارس ہوس ملک گیری میں غلطاں و پیچاں تھے، حکمراں طبقات دادِ عیش دے رہے تھے اور عوام ظلم کی چکی میں پیسے جارہے تھے اور اخلاق وکردار قصۂ پارینہ بن چکے تھے، دوسری طرف عرب کے سورما باہم دست وگریباں تھے، ذرا ذرا سی بات پر شمشیریں بے نیام ہو جاتی تھیں، میدانِ جنگ شعلہ زن ہوا اٹھتا تھا، چشم زدن میں کشتوں کے پشتے لگا دئے جاتے تھے اور خون کی ندیاں بہہ پڑتی تھیں، کمزور وبے سہارا طاقتوروں کے لیے لقمہ تر بن چکے تھے، عورتیں دیگر مال واسباب کی طرح ورثے میں تقسیم کی جاتی تھیں اور ہر طرح کا ظلم ان کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا، تصورِ تہذیب اور آدابِ معاشرت قبائل عرب میں ناپید ہو چکے تھے اور جزیرہ نما عرب کی پوری سرزمین طبقاتی کشمکش اور خانہ جنگیوں کی آماج گاہ بنی ہوئی تھی، اہل ستم کی چیرہ دستیاں، ظلم وسفا کی کی ہول ناکیاں، بندگانِ ابلیس کی مکاریاں اور عیاریاں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھیں، یہ جہانِ رنگ وبو موت وزیست کی کشمکش سے نبرد آزما تھا، پورا عالم آتش کدۂ شرک وکفر میں جھلس رہا تھا اور ابدی جحیم کی راہ پر گامزن تھا کہ رحمت خداوند قدوس جوش میں آتی ہے، باطل کے ستارے گردش میں چلے جاتے ہیں، ظلم کے شرارے بجھنے لگتے ہیں، قصرہائے قیصر وکسریٰ زمیں بوس ہو جاتے ہیں اور مجوس ونصاریٰ کے آستانے خاک آلود، پھر توحید اور حق وصداقت کا غلغلہ بلند ہوتا ہے، کلمہ حق کی صداؤں سے بطحاء کی پہاڑیاں گونج اٹھتی ہیں اور یورشِ توحید کے برق وشرر سے کفر وشرک کا نشیمن خاکستر ہو جاتا ہے، رحمت ومحبت کے نغمے گنگنائے جاتے ہیں، سسکتی انسانیت مسکرا اٹھتی ہے اور محسن انسانیت، نبی رحمت، پیغمبر علم واخلاق، ملک عرب کے مقدس ومحترم شہر مکہ معظمہ میں جلوہ افروز ہوتے ہیں، مظلوم ورنجور انسانیت اس مژدۂ جاں فزا سے جھوم اٹھتی ہے اور ظالموں کا غرور خاکم بدہن ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی رحمت والفت، لطف وعنایت، حسن خلق اور احسان ومحبت کی آئینہ دار ہے اور آپ کے تمام لمحات زندگی ماہِ تاباں اور خورشید درخشاں سے زیادہ پر انوار ہیں، جن کی ضوفشانیوں نے عالم تاریک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چاک کیے اور ظلم وجبر کے گھنے ابر کو تجلی رحمت کی خیرہ کن شعاعوں سے دور کیا، آپ کی زندگی کا ایک ایک ورق صفحۂ ہستی کے لیے نشانِ راہ ہے اور ان اوراق پر انوار پر کندہ سنہرے خطوط طبقہ دنیا کے لیے روشنی کی آخری منزل اور نور الٰہی کا آخری ظہور ہے۔

محسن انسانیت کی انسانیت نوازی اور رحم گستری ان کی عدیم النظیر زندگی کا وہ حسین اور دل نواز دیباچہ ہے کہ جس نے کروڑوں دلوں کی قساوت کو دور کیا اور سخت گیروں کو رفق وملائمت کا سبق پڑھایا، آپ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک وصف رحمت الٰہی کی

تابانیوں کا مظہر ہے اور چمنستان دہر کے تمام انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے، آپ کا سراپا وجود زمان ومکان کے تمام حدود قیود سے بالاتر ہوکر عالم دوجہاں کے تمام جن وانس کے لیے باعث رحمت ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔)

خالق کائنات نے آپ کی کثیر الجہات عملی زندگی کے تمام اوراقِ زرّیں مکمل صحت وصداقت اور موثوقیت کے ساتھ محفوظ فرمائے اور قرآن کریم میں آپ کے بلند اخلاق وکردار کی شہادت دے کر آپ کے اسوۂ مبارکہ کو جاودانی بخشی، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (اور بے شک آپ عظیم الشان اخلاق وکردار پر قائم ہیں۔)

اور دوسری جگہ ساری انسانیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مطہرہ کی پیروی کی تلقین فرمائی، ارشاد ہوا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں ایک بہترین اسوہ ہے۔)

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی حسن اخلاق سے مزین اور تعلیماتِ قرآن کا حقیقی اور کامل پرتو ہے، آپ کی محبوب زوجہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کان خلقه القرآن" (آپ کے اخلاق قرآنی تھے۔)

بعثت سے قبل بھی آپ مثالی کردار کے حامل اور صادق وامین شمار ہوتے تھے، چنانچہ آپ کی صفت احسان وکرم گستری کے متعدد واقعات قبل از نبوت کے بھی منقول ہیں اور نبوت کے بعد تو ایک بحر بیکراں ہے جس سے ہر انس وجن اور چرند وپرند سیراب ہوا، اس مختصر مضمون میں ان واقعات کی تفصیل تو خارج از امکان ہے، البتہ چند جھلکیاں موجودہ صورتِ حال کے تناظر میں نہایت سبق آموز ہیں۔

نبوت سے کم وبیش ۲۰ ربرس قبل ظلم وناانصافی کے خلاف قبائل عرب کا ایک مہتم بالشان اتحاد ہوتا ہے، جس میں آپ بنفس نفیس شریک ہوتے ہیں اور واقعات کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی معاشرتی زندگی کا نقطہ آغاز ہے۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ بنوزید کے ایک صاحب تجارت کی غرض سے مکہ آئے اور عاص بن وائل نامی کسی شخص کو مال فروخت کیا، عاص نے قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کی تو اس مسافر نے اہل مکہ سے دردانگیز گہار لگائی تو قریش مکہ کے چند نرم دل لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ قریش کے بعض اہم خاندانوں نے ظلم کے خلاف کمر بستگی کا عزم کیا اور ایک مشترکہ محاذ قائم کیا گیا، جس میں آنحضرت ﷺ بھی شریک رہے اور گو کہ محاذ میں مشرکین شامل تھے، لیکن نبوت کے بعد جب اسلام اور اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہوا، رشد وہدایت کے چراغ روشن ہوئے اور کفر وضلالت کی تاریکی کافور ہوئی اور حق وباطل کے مابین واضح خطوط کھینچ دئے گئے، تب بھی زبانِ نبوت نے یہی فرمایا:

"لو دعيت إليه اليوم في الإسلام لأجبته." (اگر اب بھی مجھے اس کی دعوت دی گئی تو میں اسے قبول کروں گا۔)

مندرجہ بالا واقعہ "**حلف الفضول**" کہلاتا ہے جو ہمیں سبق دیتا ہے کہ مشترک ناسور کے خاتمہ کے لیے اہل کفر کے ساتھ مشترکہ نکاتی ایجنڈوں پر تعاون کیا جا سکتا ہے، جو اگر حکمت ودانائی اور منصوبہ بند طور پر انجام دیا جائے تو اسلامیانِ ہند کے حق میں دوررَس نتائج بھی مرتب کرسکتا ہے۔

وقت کا پہیہ گھومتا ہے، نبی برحق اپنی نیک طینت زندگی کے پینتیس برس پورے کر چکے ہیں، بیابان عرب گلستان رسالت کی بہاروں کا منتظر ہے، دریں اثناء قبائل عرب ایک عجیب کشمکش کا شکار ہوتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ کعبہ مقدسہ کی عمارت ایک سیلاب سے خستگی کا شکار ہو جاتی ہے، چنانچہ قریش بیت اللہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کرتے ہیں اور تمام قبائل اس کارِ خیر میں شان وشکوہ اور عزت ووقار

کی خاطر خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، البتہ دورانِ تعمیر حجر اسود کی تنصیب کے سلسلے میں سخت اختلاف اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور حسب دستور سابق تلواریں سونت لی جاتی ہیں، لیکن خوش قسمتی کہ عرب کے ایک سن رسیدہ شخص امیہ المخزومی ایک تجویز پیش کرتے ہیں کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہوا سے حَکم تسلیم کر لیا جائے، تمام قبائل اس تجویز کو منظور کر لیتے ہیں، خدا کی مرضی کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ صحن حرم میں داخل ہوتے ہیں اور قریش یکلخت پکار اٹھتے ہیں اور آپ کی سچائی، امانت داری اور معاملہ فہمی کی برملا شہادت دیتے ہیں کہ

"هذا الأمين رضيناه هذا محمد"

(یہ امین محمد ہیں ہم ان سے راضی ہیں۔)

آپ ﷺ کو قضیہ بتایا جاتا ہے تو آپ ایک چادر منگواتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود اس پر رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہر قبیلہ اس کا ایک ایک کونہ تھام کر لے چلے پھر آپ بذات خود مقررہ جگہ مبارک پتھر نصب فرما دیتے ہیں اور اس طرح آپ کی حکمت و دانائی اور فہم و بصیرت سے ایک خونچکاں جنگ کی بلا ٹلتی ہے۔

نبوت کے بعد جب اہل مکہ نے آپ کی دعوت کا انکار کیا اور جان کے درپے ہوئے تو نبی آخر الزماں نے طائف کا رخ فرمایا، سنگلاخ پہاڑیوں اور دشوار گذار راستوں سے ہوتے ہوئے جب آپ طائف پہنچے تو سنگ دل کافروں نے بجائے دعوتِ حق پر لبیک کہنے کے شہر کے شر پسند اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ پر پتھر برساتے، ٹھٹھے لگاتے اور پھبتیاں کستے تھے، آپ کے قدم مبارک زخموں سے لہولہان تھے اور آپ بارگاہِ الٰہ میں اپنی بے بضاعتی اور ناتوانی پر شکوہ کناں تھے کہ جبرئیل ملک الجبال کے ہمراہ تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ فرمائیں تو ان دو پہاڑوں کو ملا کر سرکشوں کا سرمہ بنا دیا جائے، لیکن اس موقع پر بھی صبر و تحمل کا باندھ نہیں ٹوٹتا، پیمانہ نہیں چھلکتا، بلکہ زبان مبارک سے محبت و شفقت میں گندھے ہوئے یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ

''یہ ایمان نہیں لاتے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں میں سے کسی کو توحید کا علمبردار بنا دے۔''

غزوۂ احد کے موقع پر عین حالت جنگ میں جب آپ کا رخِ انور زخموں سے چور تھا، دندانِ مبارک شہید کر دیے گئے تھے اور آپ کی شہادت کی جھوٹی افواہ پھیلائی جا رہی تھی، تب ان سفاک دشمنوں کے حق میں زبان نبوت دعا گو ہوتی ہے:

"رب اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون." (اے میرے رب! میری قوم کو معاف کر دے یہ جانتے نہیں۔)

قربان جایئے!!! ہزار بار قربان جایئے رحمۃ للعالمین کے عفو و درگذر پر کہ جفاکار دشمن کے لیے معافی کے طلب گار ہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر لشکر اسلام پورے رعب وداب اور شان وشوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتا ہے، سامنے برسوں پرانا دشمن ہے جس نے ماضی میں درندگی و حیوانیت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، مکہ کے شب و روز جس پر گواہ تھے، جاں نثارانِ رسول اشارۂ ابرو کے منتظر ہیں، تلواریں کوندنے کے لیے بے تاب ہیں، کفر کا رَن کانپ رہا ہے کہ جوشِ انتقام میں ایک صحابیِ رسول کی زبان سے نکلتا ہے:

"اليوم يوم الملحمة" (آج تو خوں ریزی کا دن ہے۔)

لیکن زبان نبوت گویا ہوتی ہے کہ نہیں "اليوم يوم المرحمة" (آج تو رحمت و معافی کا دن ہے۔)

پھر اعلان عام ہوتا ہے: "لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فأنتم الطلقاء." (آج تم پر کوئی دار و گیر نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

اور اس طرح صفحۂ تاریخ پر عفو و درگذر کی ایک بے مثال و لازوال داستان رقم ہوتی ہے اور فدایانِ رسول کے دلوں پر جذبہ احسان و انسانیت کے انمٹ نقوش ثبت ہوتے ہیں اور نبوی اخلاق کی بادِ بہاری سے خزاں رسیدہ عالم انسانیت گل و گلزار ہو اٹھتا ہے۔

عید میلاد النبی کا پیغام

صحافی اسلام حضرت مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم میں تشریف لانے کے تعلق سے مسرت کا اظہار ہم کو ہر ماہِ ربیع الاول میں جگہ جگہ شاندار طریقے سے ملتا ہے، مسرت کا یہ اظہار بہت مبارک ہے، جتنا بھی ہو اچھا ہے، لیکن یہ اور بھی زیادہ اچھا ہوسکتا ہے، اگر اس میں خود ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مسرت کا لحاظ رکھا گیا ہو، ان کی مسرت ان کے ماننے والوں کی طرف اپنی مسرت بہت زیادہ دکھاوا کرنے سے زیادہ ان باتوں میں ہے جن سے خلق خدا کو فائدہ پہنچتا ہو، غریبوں اور پریشان حال لوگوں کی مدد ہوتی ہو، بیواؤں اور یتیموں کو سہارا ملتا ہو، امت کے افراد کی پریشانیاں دور ہوتی ہوں، ان کاموں پر حتی الوسع توجہ دینا، ممکن حد تک اپنے مال کا کچھ حصہ اس پر لگانا، اللہ رب العزت کو راضی کرنے والا اور اس کے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسرور کرنے والا کام ہے، ہمارے تونگر حضرات عید میلاد النبی کے موقع پر اپنی مسرت کا اظہار تو بڑے مصارف سے کرتے ہیں اور ان میں کچھ افراد اور ان میں کچھ حضرات ضرورت مندوں اور غریبوں کی مدد بھی کرتے ہیں، لیکن دونوں پہلوؤں کے درمیان مناسبت مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں آتا ہے کہ ضرورت مندوں کا خیال فرماتے تھے، جس کا کام نہ ہو پا رہا ہو اس کا کام ہونے میں مدد کرتے تھے، کسی پر مصیبت پڑتی تو اس کی مصیبت دور کرنے کی فکر کرتے تھے اور ان سب باتوں کا حکم بھی دیتے تھے، ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اظہار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات طیبہ کی نقل کرنے میں کتنا صرفہ کرتے ہیں اور کتنا صرفہ محض اپنی پسند اور مسرت کے مظاہرہ میں کرتے ہیں۔ یعنی کتنی فکر اپنی خوشی کے اظہار کی کرتے ہیں اور کتنی فکر اپنے رسول کی پیروی اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں، ہم اگر جائزہ لیں تو ہم کو بڑی اونچ نیچ ملے گی۔ ہم اگر اعتدال سے کام لیں تو مسلمانوں کی کتنی پریشانیاں دور ہوسکتی ہیں اور کتنی ضرورتیں جن سے مسلمانوں کی امت کو بڑی تقویت حاصل ہوسکتی ہے۔

ہم کو عید میلاد النبی کے پرمسرت موقعوں پر راہِ اعتدال اختیار کرنے کی طرف توجہ دینا چاہیے، اگر عمارتوں کو دلہن بنانے میں کچھ کمی ہو جائے اور رسولِ مقبول ﷺ کی پیروی اور خوشی کی فکر سے جنت میں ہمارا محل بن جائے، تو یہ زیادہ کامیابی کی بات ہے جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آپ کی مسرت کے کام بہر حال مسلمانوں کے لیے بڑی کامیابی کی بات ہے، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر چلائے۔"

(انسانیت آج بھی اسی در کی محتاج ہے: ۳۷-۳۸)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 16 ⚜ **September 2024** ⚜ Issue: 09

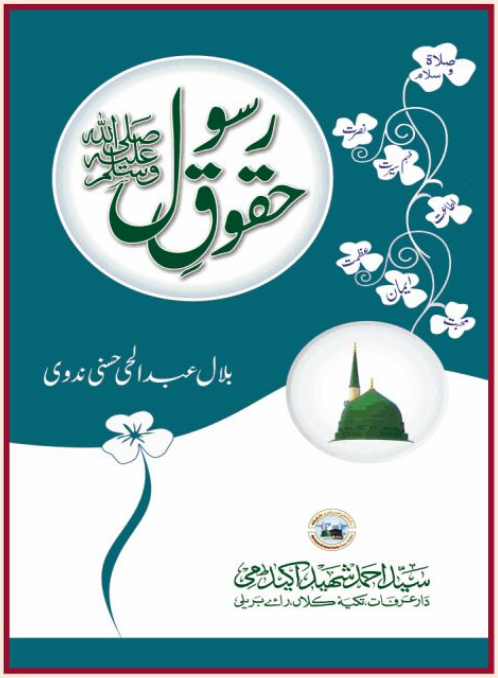

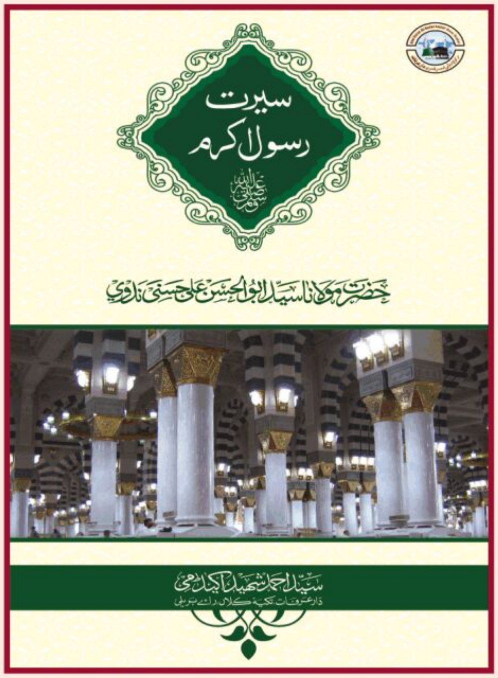

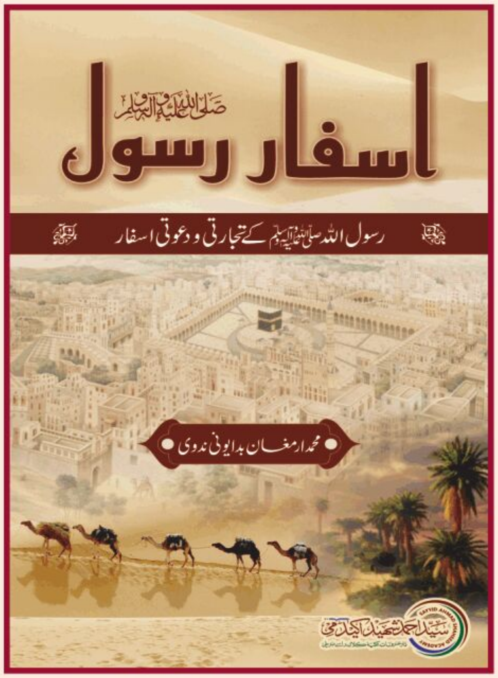

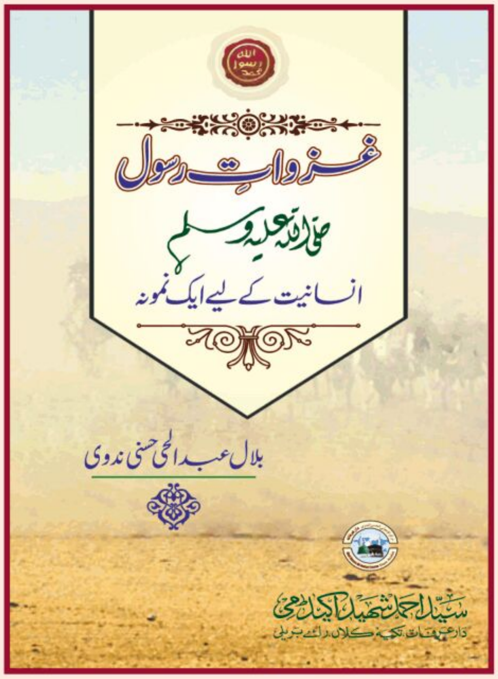

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)